اِسلام اور ہمارا قانونی نظام

(۲)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مسلمان پر فرض ہے | اسلام مسلمان کے لیے واجب قرار دیتا ہے کہ وہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (آل عمران: ۱۰۴) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران: ۱۱۰) وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبہ: ۷۱) اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج: ۴۱) كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (المائدہ: ۷۹)

متعدد احادیث سے اس فریضے کی مزید تاکید و تشریح ثابت ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک خطبے کے دوران میں فرمایا تھا کہ اے لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ۔ اور اس کی غلط تاویل کرتے ہو (یعنی اس سے یہ مطلب نکالتے ہو کہ نجات کے لیے ذاتی نیکوکاری کافی ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں ہے) حالانکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ "ما من قوم عملوا بالمعاصی وفیهم من یقدر ان ینکر علیهم فلم یفعل الا یوشک ان یعمهم اللہ بعذاب من عندہ" (جس قوم کے اندر بھی معاصی کا ارتکاب کیا جائے اور اس میں ایسے لوگ بھی موجود ہوں جو ان برائیوں پر ٹوک سکیں مگر وہ ایسا نہ کریں، تو جلد اللہ تعالیٰ ان سب کو (یعنی برائی کرنے والوں اور اس پر ملامت نہ کرنے والوں کو) ایک عام عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے) اس سلسلے کے چند دیگر ارشادات نبوی درج ذیل ہیں

لتأمرن بالمعروف وتنهون عن المنکر اولیسلطن اللہ علیکم شرارکم ثم یدعو خیارکم فلا یستجاب لهم۔

تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے بُروں کو تم پر مسلط کر دے گا۔ پھر تمہارے اچھے دعا کریں گے لیکن قبول نہ ہوگی۔

٭ ما اعمال البر عند الجهاد فی سبیل اللہ الا کنفثة فی بحر لجی وما جمیع اعمال البر والجهاد فی سبیل اللہ عند الامر بالمعروف والنهی عن المنکر الا کنفثة فی بحر لجی۔

جہاد کے مقابلے میں نیک کام ایسے ہیں جیسے ایک بحرِ ذخار کے مقابلے ایک ذرا سا چھینٹا اور تمام اچھے کام بمعہ جہاد فی سبیل اللہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بالمقابل ایسے ہیں جیسے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں ذرا سا چھینٹا۔

٭ افضل شهداء امتی رجل قام الی امام جائر وامرہ بالمعروف ونهاہ عن المنکر فقتله علی ذلك فذلك الشهید ممنزلته فی الجنة بین حمزة وجعفر بئس القوم قوم لا یأمرون بالقسط وبئس القوم قوم لا یأمرون بالمعروف ولا ینهون عن المنکر

میری امت کا بہترین شہید وہ ہے جو ظالم حکمران کے سامنے کھڑے ہو کر اُسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے اور پھر وہ ظالم اسے قتل کر دے۔ یہ شہید ایسا ہے کہ جس کا مقام جنت میں حمزہؓ اور جعفرؓ کے درمیان ہوگا۔ بہت بری ہے وہ قوم جو عدل کا حکم نہ دے، بہت بری ہے وہ قوم جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے۔

٭ من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلك اضعف الایمان

جو کوئی تم میں سے بُرائی دیکھے اُسے چاہیے کہ ہاتھ سے اُسے بدلے، اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے بدلے اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل سے اُسے بُرا جانے اور اسے بدلنے کی خواہش رکھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

امر بالمعروف یہ ہے کہ لوگوں کو اس امر کی تبلیغ و تلقین کی جائے کہ وہ اپنے اقوال و افعال میں احکامِ شریعت کی پابندی کریں نہی عن المنکر یہ ہے کہ لوگوں کو اس بات کی ترغیب دلائی جائے کہ وہ ان تمام اعمال کو ترک کر دیں جن کے ترک کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ یہ امر مسلمانوں میں متفق علیہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام مسلمانوں کی مرضی، اختیار اور صوابدید پر نہیں چھوڑ دیا گیا کہ چاہیں تو اسے کریں اور چاہیں تو نہ کریں۔ یہ کام ایک امرِ مستحسن

٭ رحمت الٰہی سے کامل امید ہے کہ وہ مصنف اور ان کے مظلوم رفقاء کو یہ مقام عطا فرمائے گا۔ (ترجمان)

و مستحب کے درجے میں نہیں ہے کہ اگر کر لیا جائے تو اچھا ہے اور نہ کیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مسلمانوں پر قطعی واجب ہے، اسے ادا کیے بغیر چارہ نہیں ہے، اسے ترک کرنا یا اس کی ادائیگی میں کوتاہی دکھانا مطلقاً جائز نہیں ہے۔ یہ پوری امت مسلمہ پر ایک اجتماعی فریضہ ہے اور دنیا سے برائی کو مٹانے اور نیکی کو پروان چڑھانے کے لیے اس فریضے کو انجام دینا ضروری ہے۔ حکومتوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں، جماعتوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ یہ کام کریں اور افراد کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ یہ کام کریں۔ صرف اسی صورت میں فساد اور منکر کا استیصال کیا جا سکتا ہے اور صلاح و تقویٰ کی فضا پیدا کی جا سکتی ہے۔

موجودہ زمانے کا حال یہ ہے کہ اس میں برائی چہار سو پھیل چکی ہے۔ افراد برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں، نہ وہ خود رکتے ہیں اور نہ کوئی دوسرا انھیں روکتا ہے۔ حاکم اور محکوم مل کر اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں۔ حکومتیں مسلمانوں کے لیے ایسے قوانین وضع کرتی ہیں جو مسلمانوں کو کفر، شرک اور ارتداد کی طرف دھکیلتے ہیں۔ ان افسوس ناک حالات میں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ کوشش کا حق ادا کرے۔ ایک مسلم خواہ ملازم ہو یا نہ ہو، خواہ جج ہو یا نہ ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ غیر اسلامی قوانین کو بدلنے کی کوشش کرے۔ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس مقصد میں ایک دوسرے سے تعاون کریں، اور اس کے لیے اگر ہاتھ نہیں استعمال کر سکتے تو اپنے دل سے، اپنی زبان سے، اپنے قلم سے اس کی تائید کریں۔

تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ "بر" اور "تقویٰ" کے معاملے میں ایک دوسرے سے تعاون کریں اور "اثم اور عدوان" کے معاملے میں تعاون نہ کریں۔ اگر مسلمان اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد اور نصرت فرمائے گا اور باطل کے "اصنام و طواغیت" کو منہدم کر دے گا۔ مسلمانوں کی جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ بندہ اللہ کے کام میں جب اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی مدد کرتا ہے۔ ایک مسلم کو غیر اسلامی قوانین کے خلاف لڑتے رہنا چاہیے۔ اس فرض کی ادائیگی کے خلاف جہلا خواہ کچھ بھی کہتے یا کرتے رہیں، وہ مسلم کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ شرط صرف یہ ہے کہ مسلمان کے پاس اپنے فعل کے حق میں دینی حجت اور اس پر کامل یقین موجود ہو۔ اسی حقیقت کو قرآن نے اس طرح واضح فرمایا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ — اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم اپنی فکر کرو۔ وہ شخص تمھیں

مَن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (المائدہ ۵: ۱۰۵) کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا جو گمراہ ہو گیا ہے، بشرطیکہ تم ہدایت پر ہو

قانون کا مقصد و منشا اپنی روح اور حقیقت کے اعتبار سے قانون ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے جس سے انسانی معاشرے کو مفر نہیں ہے۔ اسی قانون کی وساطت سے اجتماعی شیرازہ بندی ہوتی ہے۔ مظالم کی روک تھام ہوتی ہے، حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے، عدل کو قائم کیا جاتا ہے اور اقوام عالم میں داخلی و خارجی ربط و نظم پیدا ہوتا ہے۔ بشری ضروریات ہی نے قانون کے ادارے کو جنم دیا ہے، اس کے وجود و ارتقا کو ممکن بنایا ہے اور اس کی اطاعت و احترام کو ایک پسندیدہ فعل کی حیثیت سے انسان کے دل و دماغ میں جاگزیں کیا ہے۔ معاشرے کے متفرق افراد ایک نظام جماعت سے اپنے آپ کو اس غرض سے وابستہ کرتے اور قانون کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہیں تاکہ ظلم و جور سے محفوظ رہیں اور امن و سلامتی سے زندگی بسر کر سکیں۔ قانون کی ضرورت اس وجہ سے بھی لاحق ہوتی ہے کہ اگر بہت سے افراد کے خلاف طاقت استعمال نہ کی جائے تو وہ ایسے افعال کر گزرتے ہیں جو بحیثیت مجموعی سوسائٹی کے مفاد کے منافی ہوتے ہیں اور اسی طرح وہ ایسے بہت سے فرائض کی انجام دہی سے باز رہتے ہیں جو ان پر معاشرے کی جانب سے عائد ہوتے ہیں۔ بہرکیف اس طرح کی بے شمار انفرادی و اجتماعی ضروریات اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ جماعتی زندگی کو ایک قانونی نظام کی بنا پر استوار کیا جائے۔ اس بحث سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ قانون انسانی معاشرے سے ماورا کوئی ایسی شے نہیں ہے جسے اجتماعی و انفرادی مصالح کو نظرانداز کر کے فرد یا جماعت پر جبراً مسلط کر دیا جاتا ہے۔ فی الاصل قانون کا مقصد وحید ایصالِ منفعت اور دفعِ ضرر ہے۔

قانون کسی شکل میں، بہ کسی رنگ میں ہو وہ جماعت کی خدمت اور اس کی فلاح و بہبود کا آلۂ کار ہے۔ اگر قانون تعلیم کو جبری اور لازمی قرار دیتا ہے تو اس لیے کہ بے علمی اور جہالت دور ہو، اگر قانون مجرموں کو سزا دیتا ہے تو اس غرض سے کہ امن قائم ہو اور جرائم کا سدِباب ہو اور اگر قانون ظلم کی ہر صورت کو ممنوع قرار دیتا ہے تو محض اس مقصد کی خاطر کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو اور ہر شخص اطمینان کی زندگی گزار سکے۔ قانون کے وجود اور اس کے قہر و غلبہ کے لیے واحد وجہِ جواز یہی ہے کہ وہ معاشرے کی خدمت اور سعادت کا موجب ہو۔ جو قانون اپنے اس حقیقی مقصد و مآل کے حصول میں ناکام رہے وہ سراسر باطل اور ناقابل قبول ہے اور کسی طرح کے احترام اور اطاعت کا قطعاً مستحق نہیں ہے بلکہ وہ اس امر کا سزاوار ہے کہ اسے جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا جائے۔

اگر ہم ایسے قانون کو دل سے تسلیم کریں گے یا اُس کے سامنے اپنا سر خم کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم پورے معاشرے پر ظلم کر رہے ہیں اور اُس کے حقوق کو پامال کر رہے ہیں۔

ہر قوم کا اپنا اپنا قانون ہے قانون کے بارے میں بنیادی اصول یہ ہے کہ مختلف عقائد و نظریات رکھنے والی اقوام کے قانونی نظام ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں اور ہر قوم کا قانون اُس کے افکار و احساسات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ قوم کے ماضی، حال اور مستقبل سے قوانین کا نہایت گہرا تعلق ہوتا ہے اور ہر قانون میں قوم کے اخلاقی، تہذیبی، معاشرتی اور سیاسی تصورات کا عکس موجود ہوتا ہے۔ قومی مزاج کا اختلاف لازماً قانون کے اختلاف کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ جاپان کا قانونی ضابطہ ہندوستان کے قانونی ضابطے سے اتنا ہی مختلف ہے جتنی کہ جاپانی قوم ہندی قوم سے اپنے معتقدات و نظریات میں مختلف ہے۔ روسی قوانین اور انگریزی قوانین کے درمیان اسی نسبت سے امتیاز موجود ہے جس نسبت سے امتیاز ان دونوں قوموں کے عقائد و افکار میں پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے عام بول چال میں جب ہم کسی خاص مجموعۂ قوانین کو ایک خاص قوم کی طرف منسوب کرتے ہیں تو یہ نسبت محض ظاہری نام کی حد تک نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک حقیقی ربط و تعلق کو ظاہر کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قوم اپنے قوانین کی حفاظت و مدافعت کے لیے کمربستہ اور مستعد رہتی ہے اور اس کی توہین و تذلیل کو اپنی توہین و تذلیل خیال کرتی ہے۔ اسی کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ ایک قوم کے مقننین اگر کسی دوسری قوم سے کوئی قانون مستعار لیتے بھی ہیں تو اسے جوں کا توں اپنے قوانین میں داخل نہیں کر دیتے بلکہ اس میں اس حد تک اصلاح و ترمیم کر لیتے ہیں کہ وہ اپنے قانونی ڈھانچے میں انمل بے جوڑ نہ معلوم ہو۔ ہر قوم اس بات کو اچھی طرح جانتی ہے کہ کسی دوسری قوم کی غلامی اور چاکری قبول کر لینے کی بدترین شکل یہ ہے کہ اُس کے قوانین کو لے کر بلادانی التغیر اپنے ہاں رائج کر دیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک قوم نے اپنی قومی انفرادیت کو خیرباد کہہ دیا اور دوسری قوم کی اطاعت کا قلادہ خود اپنی گردن میں ڈال لیا۔

بلادِ اسلامیہ کے اجنبی قوانین لیکن مقامِ افسوس ہے کہ مندرجہ بالا اصولِ قانون کو مصر میں اور دوسرے ممالکِ اسلامیہ میں بہت بڑی حد تک پامال کر دیا گیا ہے۔ مغربی اقوام کے ضابطہ ہائے قوانین کے ایک بڑے حصے کو من و عن درآمد کر کے یہاں نافذ کر دیا گیا ہے۔ ان مسلمان ممالک کے اندر تیرہ سو سال تک کم و بیش اسلامی احکام و قوانین کو غلبہ اور

فرماں روائی حاصل رہی ہے، ان ممالک کی عظیم اکثریت اسلام کے نظریۂ حیات پر ایمان رکھتی ہے اور زندگی کے ہر گوشے میں اس کے اوامر و نواہی پر کاربند رہنے کی ہمیشہ کوشش کرتی رہی ہے جن لوگوں نے مغرب کے قوانین کو اخذ کرنا شروع کیا تھا، ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ مسلمانوں کے حال اور ماضی کو پیش نگاہ میں رکھتے۔ لیکن ان مقلدین میں فہم و بصیرت کا مادہ بہت قلیل تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان ممالک میں ایسے غیر مانوس اور بیگانہ قوانین کو بالادستی حاصل ہوگئی جن میں نہ مسلمانوں کے ماضی کی کوئی جھلک تھی، نہ ان میں مسلمانوں کے موجودہ مسائل کا کوئی مداوا تھا اور نہ ہی مستقبل کے لیے ان میں کوئی روشنی اور رہنمائی تھی۔ بلکہ یہ قوانین مسلمانوں کے عقائد و عزائم کی عین ضد تھے۔ ان قوانین کے شجرۂ نسب کی ایک اجنبی خاک میں تخم ریزی ہوئی اور اجنبی ماحول میں ہی اُسے پروان چڑھایا گیا۔ عجیب بدقسمتی اور سوئے اتفاق ہے کہ اس شجر خبیث کو ایسی جگہ لاکر نصب کردیا گیا ہے جہاں کے رہنے والے مجبور ہیں کہ اس سے نفرت کریں اور اسے بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنے کی جدوجہد کریں۔ یہ قوانین ہمیں کفر و الحاد کی طرف دھکیلتے ہیں اور ہمیں اباحیت اور مادر پدر آزادی کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان کے اصول و فروع کو ہمارے احوال و کوائف سے دور کی بھی نسبت نہیں ہے۔ ان کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک بچے کو والدین سے لے کر زبردستی دوسروں کی سرپرستی میں دے دیا جائے یا ماں باپ سے ان کا اپنا بچہ چھین کر کسی ولدالحرام کو ان کی گود میں ڈال دیا جائے۔

قانون عقائد کا ضامن اور محافظ ہوتا ہے

فرد، اور جماعت کی مادی ضروریات کے علاوہ اس کے افکار و عقائد وہ عزیز ترین متاع ہیں جن کی حفاظت بذریعۂ قانون مقصود ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے افکار و نظریات کا اصل منبع اور سرچشمہ اسلام ہے۔ ہمارے قوانین بنانے والوں کو اگر اللہ تعالیٰ کچھ بھی سمجھ دیتا تو وہ ہر قانون کے بارے میں سب سے پہلے یہ دیکھتے کہ وہ اسلامی تعلیمات سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں۔ وہ شعائر دینیہ کے موافق ہے یا مخالف۔ لیکن یہ زحمت کسی نے گوارا نہ کی اور اب حال یہ ہے کہ یہ قوانین اسلام کے قوانین کو کھلم کھلا چیلنج دے رہے ہیں، اسلامی عقائد کا مذاق اڑا رہے ہیں، اسلام کے اصولوں کی تحقیر کر رہے ہیں اور اسلام کے حقوق و واجبات کی راہ میں شدت سے حائل اور مزاحم ہو رہے ہیں۔ اس طرح سے ہمارے موجودہ قوانین اصل روحِ قانون کو پامال کر رہے ہیں، جس مقصد کے لیے قانون وضع کیا جاتا ہے اس میں وہ بُری طرح ناکام ہو رہے ہیں اور اپنے

وجود و قیام کے لیے وہ اپنے اندر ادنیٰ ترین وجہِ جواز بھی نہیں پیدا کر سکے ہیں۔ اس میں قانون بیچارے کا کیا قصور ہے؟ قصور ان لوگوں کا ہے جنہوں نے ان قوانین کے نقل کرنے میں کچھ بھی تو عقل سے کام نہیں لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا امن و سکون غارت ہو گیا ہے، ہمارے گرد و پیش ایک خلفشار اور اضطراب برپا ہے اور عالمِ اسلام پر نحوست و شقاوت مسلط ہو رہی ہے۔

قانون کا مقصد خیر کا قیام ہے | قانون کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خیر اور کمال کی طرف ہماری رہنمائی کرے لیکن یورپ کے قوانین شر اور زوال کی طرف ہماری رہبری کر رہے ہیں اور ہمیں فساد و ہلاکت کے کھڈ میں گرانا چاہتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا بھر کی قوموں کے مقابلے میں مسلمان خیر کے لیے زیادہ حریص تھے، نیکی سے زیادہ قریب تھے اور باہمی تعاون و تراحم پر زیادہ کاربند تھے لیکن جب سے مسلمان ملکوں میں ان بیگانہ قوانین کا چلن ہوا ہے ہم نے رفتہ رفتہ عزت و شرف کا مقام کھو دیا ہے اور ہم اخلاقی فضائل و مکارم سے بالکل عاری ہو گئے ہیں۔ ہمارے اندر خود پسندی، انانیت، مادہ پرستی اور ابن الوقتی عام ہو چکی ہے، اور جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی تمیز ہمارے درمیان سے اٹھ چکی ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ ہماری اخلاقی رفعت کی دنیا میں مثال دی جاتی تھی اور ایک وقت یہ ہے کہ ہم حیوانات کی طرح اپنی خواہشات کے گرد گھوم رہے ہیں بلکہ درندوں کی مانند شکار کی تلاش میں دوڑتے پھر رہے ہیں۔

قانون ناجائز انتفاع کو روکتا ہے | قانون کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ ناروا نفع اندوزی اور جبری استحصال کو روکے لیکن دیارِ اسلامیہ کے قوانین کا عالم یہ ہے کہ وہ گھڑے ہی اس لیے گئے ہیں تاکہ استعماری طاقتوں کے مفادات کی نگہداشت کریں، ان کی لوٹ کھسوٹ کو قانونی شکل دیں، مسلمانوں کو اقتصادی محکومی میں مبتلا رکھیں اور ذلت و مسکنت کی گرفت کو کبھی ان پر سے ڈھیلا نہ ہونے دیں۔ سارے عالمِ اسلام کا یہی حال ہے۔ مثال کے طور پر میں اپنے ملک مصر کو لیتا ہوں۔

۱۹۴۵ء میں جب برطانیہ جنگ سے فارغ ہوا تو مصر کا پچاس کروڑ گنی قرضہ اس کے ذمے تھا، جسے سٹرلنگ قرضہ جات کا نام دیا جاتا ہے۔ کیا ہمارا ملک اتنا غنی تھا کہ وہ اتنا عظیم الشان قرضہ برطانیہ کو دے سکتا؟ کیا انگلستان نے قرض کے لیے درخواست کی تھی اور مصر نے اسے قبول کیا تھا؟ نہیں، ہرگز نہیں! یہ خالص چوری، لوٹ اور ڈکیتی تھی جسے ناروا استم ظریفی سے قرضے کا نام دے دیا۔ اسی طرح مصری قوانین نے جلبِ منفعت کی بے شمار ناجائز صورتوں کو

انگریزوں کے لیے جائز قرار دے رکھا ہے۔ یہ قانون غریب مصریوں کے منہ سے لقمے نکال نکال کر برطانوی کے پیٹ کی نذر کر دیتا ہے۔ مصری قانون کی رو سے انگریزوں کے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ وہ ہمارے سٹرلنگ۔۔کے بقایاجات میں سے جس قدر چاہیں اپنے تصرف میں لے آئیں۔ ہمارے ہاں "بنک اہلی" کی حیثیت بالکل ایک انگریزی ادارے کی سی ہے۔ انگلستان کے خزانے کے تمسکات کے بالمقابل اس بنک سے مصری کرنسی کا حصول قانوناً جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح سے مصری سرمایہ پر غاصبانہ قبضے کی ایک قانونی شکل فراہم کر دی گئی ہے۔ برطانوی ہنڈیوں کے عوض انگریز ہمارے مال و دولت میں سے جو کچھ چاہتے ہیں لوٹ لے جاتے ہیں کیا اس طرح کا قانون عادلانہ اور منصفانہ قرار دیا جا سکتا ہے جس کا مقصد یہ ہو کہ ایک قوم کے افراد اپنے پیٹ کاٹ کر دوسری قوم کے تنورِ شکم کے لیے ایندھن فراہم کریں؟ ایک قوم کے لوگ قوت لایموت کے لیے بھی ترس رہے ہوں اور انہی کے بل پر دوسری قوم کے لوگ دادِ عیش دے رہے ہوں؟

گزشتہ جنگ کے ختم ہوتے ہی ہم نے اس گرانبار قرض کی ادائیگی کا مطالبہ شروع کر دیا تھا۔ اگر یہ قرض اب تک واپس مل چکا ہوتا تو اپنی قومی زندگی کے ہر گوشے میں تعمیرِ جدید کا کام شروع کر کے ہم کامیابی کی متعدد منزلیں طے کر چکے ہوتے لیکن ہمارے مطالبات کے جواب میں انگریزوں نے لیت و لعل اور ٹال مٹول کی روش اختیار کر لی۔ انھوں نے ہمارے لیڈروں سے یہ کہنا شروع کیا کہ "ہم نے جنگ میں مصر کی حمایت و حفاظت کی تھی، اس لیے ان قرضوں میں تخفیف کی جائے"۔ کیا ہم نے انگریزوں سے درخواست کی تھی کہ وہ ہماری حفاظت کریں؟ کیا ہم نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ ایک لمحے کے لیے بھی ان کی فوجیں یہاں مقیم ہوں؟ کیا ہم نے کسی کے خلاف یا کسی نے ہمارے خلاف اعلانِ جنگ کیا تھا؟ افسوس کہ ہماری آنکھیں اب تک نہیں کھلیں۔ ہم نے اب تک ان انگریز نواز قوانین کے بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ہماری زندگی کی ساری ضروریات کو انگریز دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر لیے جا رہا ہے، حتیٰ کہ بازار میں سے سبزی ترکاری، پھل اور گوشت بھی پہلے اس کے حضور میں حاضر کیا جاتا ہے اور اس غارت گری کے بعد جو کچھ ہمارے لیے بچ رہتا ہے وہ نہایت قلیل مقدار میں ہوتا ہے اور نہایت گراں قیمت پر ضرورت مندوں کو ملتا ہے۔ صرف اغنیاء اس کے خریدنے کی قوت رکھتے ہیں۔ وہی خریدتے ہیں اور عوام حسرت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح لوہا، لکڑی، سیمنٹ اور دوسرا سامانِ تعمیر برطانوی سپاہیوں کی چھاؤنیوں میں اور ان کے افسروں کے بنگلوں میں

کھپ جاتا ہے۔ ان سب چیزوں کی کوئی قیمت نہیں ادا کی جاتی بلکہ برطانیہ کے خزانے میں ہمارے واجب الوصول قرضوں میں جمع ہوتی رہتی ہے جس کی ادائیگی کی نوبت نہ جانے کب آئے گی۔ اس ادائیگی کا اگر کبھی وعدہ کر دیا جاتا ہے تو اسے بھی بہت بڑا احسان شمار کیا جاتا ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ اس احسان کے بوجھ سے ہماری گردنیں جھک جائیں گی۔ کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمارے قوانین ظلم، غصب اور سلب و نہب کا ایک آلہ ہیں جسے ہمارے دشمن استعمال کر رہے ہیں اور ہماری حکومت اور قانون کے محافظین کی نگرانی میں یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے؟

مصری قانون استعمار کا خدمت گزار ہے

قوانین مصر یہ سامراجی اور اجنبی مفادات کے پورے پورے خادم اور محافظ ہیں۔ وہ قائم ہی اس بنیاد پر کیے گئے ہیں کہ امپیریلسٹ طاقتوں کی خدمت بجا لائیں اور انہیں ابنائے مصر کا خون چوسنے کے مواقع فراہم کر دیں۔ ان قوانین کی غرض و غایت یہ ہے کہ اہل مصر کو خیر کے رستوں سے ہٹایا اور شر کے رستوں پر بڑھایا جائے، انہیں ضعف و جہالت میں مبتلا رکھا جائے اور انہیں سامراج کا تر نوالہ بنایا جائے۔ ہمارے ہاں ریونیو، ٹیکس اور کسٹم سے متعلق جتنے مالیاتی قوانین رائج ہیں وہ مصری مزدور اور کسان کی جیب کو خالی کر کے انگریز سرمایہ دار کی جیب بھرتے ہیں۔ یہ بات بلا مبالغہ اور بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ ان قوانین کا اولین ہدف یہ ہے کہ برطانیہ کی تجارت کو چمکایا جائے اور مصر کو برطانوی مصنوعات کی منڈی بنایا جائے۔ یہاں درآمد سے متعلق اس طرح کے قوانین موجود رہے ہیں، جن کے بل پر انگلستان کے علاوہ ان تمام ممالک کی مصنوعات کا یہاں آنا محال ہو جاتا تھا جن کے ساتھ ارزانی کے لحاظ سے انگلستان مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ہم میں سے اکثر کو معلوم ہے کہ جاپان کا تیار کردہ مال محض اس وجہ سے مصر میں نہیں آ سکتا تھا کہ اس پر حد سے زیادہ محصول عائد کیا جاتا تھا، ورنہ جاپانی موٹریں، ریڈیو اور دوسری اشیا انگلستان کے مقابلہ میں پانچ گنا سستی ہوتی تھیں۔

مصر کے بے شمار ذرائع و وسائل استعمار کے بقا کے لیے صرف ہو رہے ہیں۔ ہم سڑکیں تیار کرتے ہیں، ریل کی پٹریاں بچھاتے ہیں اور انگریز انہیں اپنی عسکری اور تجارتی نقل و حرکت میں استعمال کرتے ہیں۔ ہم بندرگاہیں تعمیر کرتے ہیں اور انگریزوں کے جہاز ان میں لنگر انداز رہتے ہیں، ہم تار اور ٹیلیفون کی لائنیں پھیلاتے ہیں اور انگریز ان سے مستفید ہوتے ہیں، انگریز اور ان کے حلیفوں کے لیے کھانے پینے اور دوسری قسم کا سامان آتا ہے، مصر اسے ڈھونے کی خدمت سر انجام دیتا ہے لیکن ایک پیسہ بھی اس سے نہیں کماتا کیونکہ وہ ہر طرح کے ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی سے

مستثنیٰ ہے۔ ہماری گاڑیوں، چھکڑوں اور حمل و نقل کے ذرائع کی قلیل اور حقیر اُجرت اگر از روئے قانون غیر ملکیوں پر عائد ہوتی بھی ہے تو وہ اس کے ادا کرنے میں انتہائی بخل، تنگ ظرفی اور بے اعتنائی سے کام لیتے ہیں، اور نہایت پوچ عذرات کی بنا پر اسے روکے رکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ قانون کی ناک کے نیچے ہوتا ہے لیکن قانون خاموش رہتا ہے۔ اجنبی سودخواروں کو قانون کی طرف سے پوری چھوٹ ہے کہ وہ خون آشام جونکوں کی طرح مصر کے غربا کا لہو نچوڑتے رہیں۔ اس طرح مصری غریب سے غریب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں اور بیرونی مہاجن امیر سے امیر تر بنتے جا رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مصر ان حرام خوروں اور قمار بازوں کی چراگاہ بن کر رہ گیا ہے اور وہ ہماری اقتصادی رگ حیات پر پوری طرح قابو پا چکے ہیں۔ بڑے بڑے بنک اور کمپنیاں غیروں کی ہیں، تجارت اور صنعت و حرفت میں بیش بہا سرمایہ غیروں کا ہے اور درآمد برآمد غیروں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ دن نہایت ناپاک اور منحوس تھا جس دن ہمارے ملک میں سودی لین دین کو قانوناً جائز قرار دے دیا گیا۔ مسلمان کے دین میں سودی کاروبار قطعاً حرام ہے۔ مسلمان نہایت مجبوری کی حالت میں سودی قرض لینے کے گناہ کا تو مرتکب ہو جاتا ہے لیکن اُسے اگر دین کا کچھ بھی پاس ہو تو وہ سودی قرضہ دینے اور اس پر سود لینے کے لیے کبھی آمادہ نہیں ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں سود دینے والے زیادہ تر مصری ہیں اور سود لینے والے غیر مصری۔ اس طرح سے دولت کی یک طرفہ گردش کی وجہ سے تمام مصری سرمایہ غیروں کے ہاتھوں میں جمع ہوتا چلا جا رہا ہے۔

مصر میں شراب اور زنا حلال ہے سرزمین مصر میں شراب کو بھی حلال کر دیا گیا ہے، حالانکہ دین اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے جس دن شراب کو حلال کیا گیا تھا اس دن یہاں سو میں سے ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جو شراب کے مزے سے آشنا ہو۔ عام مسلمانوں کو معلوم بھی نہ تھا کہ یہ کس بلا کا نام ہے۔ اسی طرح مصر میں ہزار میں سے ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جو تحریم خمر کا شاکی ہوتا یا اس کی تحلیل کا مطالبہ کرتا۔ پھر آخر اس ام الخبائث کو حلال کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی؟ کس شے نے ہمارے حکام کو اسلام کے خلاف صریح بغاوت پر مجبور کیا؟ یہ محض اغیار کی خوشنودی اور رضا کی طلب کا مذموم جذبہ تھا۔ ہماری حکومتیں یہ چاہتی تھیں کہ اپنے اوپر سے ایک انتہائی سنگین تہمت کو دفع کریں، وہ تہمت یہ تھی کہ مسلمان مذہبی تعصب میں غرق ہیں اور اسلام کے بوسیدہ قوانین کو دانتوں سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہمارے ملک میں زنا کو بھی حلال کر دیا گیا ہے، حالانکہ ہمارے دین نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ اس فعل شنیع کو بھی اس لیے جائز

(باقی صفحہ ۱۵)

(بقیہ، اسلام اور ہمارا قانونی نظام) کیا گیا تاکہ دختِ رز کے ساتھ ساتھ دخترانِ مصر کو بھی غیروں کے سامنے پیش کیا جائے۔ آخر ہماری حکومتیں شراب و شاہد کو اجنبیوں کی خدمت میں پیش کرنے میں کیوں بخل سے کام لیتیں جب کہ انھوں نے اپنے سارے ملکی ذرائع و وسائل اور اموال و اسباب کو لاکر غیروں کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔[1]

---

[1] قارئین نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ مصر کی دردناک داستان پاکستان اور دیگر ممالک اسلامیہ کی داستان سے کس قدر مشابہ ہے۔ (ترجمان)